صبر: جامع تصور اور نفسیاتی کیفیات

خرم مرادؒ

ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ صبر کرو۔ اگر دین دار گھرانہ ہو تو اس پر جو بھی مشکل یا مصیبت آن پڑے اُس پر والدین کی طرف سے یہی نصیحت کانوں میں پڑتی ہے کہ صبر کرنا چاہیے۔ اگر کوئی عام گھرانہ ہو، تب بھی جب کوئی بڑا حادثہ پیش آجائے، یا کوئی عزیز دنیا سے رخصت ہو جائے، تو ہر آنے جانے والا شخص یہی کہتا ہے کہ صبر کریں، اللہ کی مرضی کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ یہ ہمارا صبر سے ابتدائی تعارف ہے جو بچپن ہی سے گھروں میں ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی دنیا میں کچھ بھی حاصل کرنا چاہے، اس کے لیے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ زندگی بسر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ جس کو اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہو، اس کی زندگی بھی ہزاروں اندیشوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوتی ہے۔ ہر آدمی اس چیز کی طلب میں رہتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی، اور ہر اس چیز کا رنج و غم کرتا ہے جو اس کے ہاتھ نہیں آسکتی۔ یہ کیفیت اس کی بھی ہے جو دنیا میں بہت کچھ رکھتا ہو اور اس کی بھی جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اسی طرح کوئی بھی مقصدِ زندگی اگر سامنے ہو، کوئی بھی خواہش پوری کرنی ہو تو ہم سب جانتے ہیں کہ اس کے لیے لگن سے کام اور محنت کرنی پڑتی ہے۔ راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنی پڑتی ہیں اور ان پر قابو پانا ہوتا ہے۔ اگر ترغیبات راستے سے ہٹانا چاہیں تو ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کو ڈاکٹر بننا ہے تو اس کے لیے اسے محنت کرنا پڑتی ہے، راتوں کی نیند قربان کرنا پڑتی ہے اور بہت سی خواہشات اور تمناؤں کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر ڈاکٹر بنا جاتا ہے۔

صبر کا مفہوم

صبر کے کئی مفہوم ہیں، مثلاً کسی کام کو جم کر کرنا، حوصلے سے کرنا، عقل کے ساتھ کرنا۔ کہیں پہنچنا ہو تو اس کے لیے اس استعداد کی ضرورت ہوتی ہے، جس کو ہم صبر کے نام سے پکارتے ہیں۔

صبر کے لغوی معنی عربی زبان میں روکنے اور باندھنے کے' یا برداشت کرنے اور سہنے کے ہیں۔ کسی بھی چیز کے ساتھ اگر آدمی اپنے آپ کو باندھ لے اور اس کے اوپر جم جائے تو یہ صبر ہے۔ یہ بھی صبر ہے کہ انسان کے سامنے جو بھی مقصد ہو یا منزل سر کرنا ہو' چاہے یہ مقصد دنیاوی ہو یا اعلیٰ وارفع کوئی اخلاقی مقصد' آدمی اپنے مقصد پر جم جائے اور یہ عزم کرلے کہ جو بھی رکاوٹیں ہوں گی انھیں خاطر میں نہیں لائے گا' خواہ وہ تکلیف کی صورت میں نمودار ہوں یا ترغیب کی صورت میں۔ یہ مشکلات اور رکاوٹیں باہر سے ہوں' یا اپنے اندر سے' یا کوئی راہ میں مسائل پیدا کردے' لیکن انسان اپنے مقصد پر جما رہے۔ کبھی حوصلہ پست ہونے لگے' یا مایوسی ہونے لگے' کبھی محنت سے دل گھبرانے لگے' مستقل کام کرتے ہوئے اُکتاہٹ ہونے لگے' اس کے باوجود کام کرتے رہنا' یہ بھی صبر ہے۔ گویا روکنے اور باندھنے اور سہارنے کے معنوں میں صبر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اگر قرآن مجید کھول کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تو ایک ایسی صفت ہے اور ایسی استعداد ہے جس کے ذکر سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ وہ جگہ جگہ اس کی ہدایت کرتا ہے' اور اس کے مختلف پہلو بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی مقصد کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان جم کے کام کرے' رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لائے اور ترغیبات کے اوپر قابو پائے۔ لالچ ہو یا خوف' خوشی ہو یا غم' مایوسی ہو یا کم ہمتی' سب کے اوپر قابو پائے۔ دنیا کے اندر اس کا کوئی کاروبار چلتا ہے' کسی نوکری میں اونچا مقام ملتا ہے' تعلیم کے میدان میں کوئی کامیابی ملتی ہے' گھر کی بنیاد رکھی جائے یا تعمیر کیا جائے یا اور بہت سے کام ہوں' ان سب کے لیے صبر کی صفت ضروری ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی منزل کی دعوت دینے کے لیے آیا ہے اور ایک ایسی نعمت عطا کرتا ہے جو بالکل مختلف ہے۔ دنیا میں جتنی بھی منازل ہیں' جتنی بھی خواہشات ہیں' جتنی بھی چیزیں ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں' وہ اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس لیے کہ وہ ایک ابدی نعمت' ہمیشہ کی نعمت' یعنی جنت اور رضاے الٰہی کی طرف پکارتا ہے۔ اس لحاظ سے سب سے بڑھ کر صبر کی ضرورت اسی راستے کے لیے ہے۔ جتنی اعلیٰ منزل ہوگی' اتنی ہی محنت کرنا پڑے گی اور اتنا ہی گرنے کا ڈر بھی ہوگا' اور اتنی ہی زیادہ راہ میں رکاوٹیں بھی حائل ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح ترغیبات اور وسوسے بھی بار بار سامنے آئیں گے کہ شاید پیچھے رہ جانے میں ہی فائدہ تھا' یا آگے بڑھنے کی محنت خواہ مخواہ مول لی وغیرہ۔

یہ وہ مختلف نفسیاتی کیفیات ہیں جو کسی بھی اعلیٰ مقام تک پہنچنے کے لیے ہمارے راستے میں حائل ہوتی ہیں۔ جب منزل وہ ہو جس کی وسعت میں آسمان اور زمین سما جائیں تو ظاہر ہے کہ اسی پیمانے سے مشکلیں' رکاوٹیں' مصائب اور ترغیبات سامنے آسکتی ہیں۔ وہ ساری نفسیاتی کیفیات اور جسمانی مصائب جو دوسرے مقاصد تک پہنچنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں وہ اس حیثیت میں کئی گنا زیادہ پیش آتے ہیں۔ اسی لیے جب

قرآن مجید نازل ہوا تو شروع ہی میں جو بنیادی ہدایات اس نے اپنے لانے والے کو دیں' وہ یہی تھیں کہ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (المدثر ۷۴:۷) "اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔" پھر چند دن کے بعد دوسری وحی نازل ہوئی: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ (المزمل ۷۳:۱۰) "اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں' ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ"، یعنی مخالفین جو بھی باتیں بنا رہے ہیں' تمھیں جھٹلا رہے ہیں' مذاق اڑا رہے ہیں' پروپیگنڈا کر رہے ہیں' اس پر صبر کرو اور راہِ خدا میں جمے رہو۔ ان لوگوں کو چھوڑ دو اور چھوڑو بھی اچھے اور بھلے طریقے سے۔ یہ دوسری ہدایت سورۂ مزمل کی ہے اور پہلی سورۂ مدثر کی۔ یہ بالکل ابتدائی دنوں میں دی جانے والی ہدایات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو دیں۔ اس کے بعد دین کی راہ پر آگے بڑھنے کے ہر ہر مرحلے میں یہ ہدایات بار بار دہرائی جاتی رہیں۔

مکی دور مظالم کا دور تھا۔ مخالفین پر ہاتھ اٹھائے بغیر سہنے اور برداشت کرنے کا دور تھا۔ جسمانی مصائب اور تکالیف اٹھانے کا دور تھا۔ جب مدنی دور آیا تو ہاتھ اٹھانے کا زمانہ آیا' اس میں جنگ کی نوبت آئی اور جہاد کا راستہ کھلا۔ اگرچہ اس دور میں ہاتھ اٹھانے اور مقابلہ کرنے کی اجازت تھی مگر اس میں بھی جان و مال کا خطرہ موجود تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب جہاد کی اجازت دی تو ساتھ ہی یہ ہدایت بھی فرمائی:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲:۱۵۵) اور ہم ضرور تمھیں خوف و خطر' فاقہ کشی' جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمایش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں ان کے لیے بشارت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰیؑ اور دوسرے انبیاؑ کو بھی صبر کی ہدایت کی۔ اس میں بھی یہ دو چیزیں موجود تھیں کہ راہ میں آنے والے مصائب پر صبر اور نماز کی روش' کامیابی کی روش ہے۔ اگر کوئی کنجیاں ہیں جو راستہ کھولتی چلی جائیں' جس سے راہ آسان ہوتی جائے' منزل قریب آئے' مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور استعداد پیدا ہو تو وہ صبر اور صلوٰۃ ہیں۔ سب انبیاؑ نے اپنی اُمتوں کو انھی دو چیزوں کی نصیحت کی۔ قرآن مجید میں بھی تین جگہ پر مختلف انداز میں یہ بات دہرائی گئی ہے: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ (البقرۃ ۲:۴۵) "صبر اور نماز سے مدد لو"۔ گویا جو راستہ تمھارے سامنے ہے' اللہ کی بندگی اور اللہ کی رضا کے حصول کا راستہ' اللہ کی جنت تک پہنچنے کا راستہ' یہ راہ صبر اور نماز کے ذریعے ہی طے ہو سکتی ہے۔ نماز اور صبر کا کیا تعلق ہے' اس کا ذکر آگے آئے گا۔

قوت کا سرچشمہ

قرآن مجید میں اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں صبر اور تقویٰ کے

ساتھ وابستہ ہیں۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس تقویٰ کو اختیار کرنے کے لیے نفس کے اندر جس صلاحیت، تربیت اور استعداد کی ضرورت ہے، اس کا نام صبر ہے۔ آدمی ان چیزوں سے رک جائے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں، ان تمام نفسیاتی کیفیات کے مقابلے میں ڈٹا رہے جو انسان کے نفس کے اندر سے پیدا ہوتی ہیں، ان ساری رکاوٹوں کے مقابلے میں بھی اللہ کی راہ پر جما رہے جو باہر سے آتی ہیں، اس تقویٰ کے حصول کے لیے قوت کا خزانہ اور سرچشمہ صبر ہے۔ اسی لیے تقویٰ کے ساتھ صبر کا ذکر لازماً اور بڑی کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا گیا کہ مخالفین تمھارے خلاف جو تدبیریں اور ہتھکنڈے اختیار کر رہے ہیں، ان کے مقابلے کے لیے صبر اور تقویٰ اختیار کرو۔

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا ط (اٰل عمرٰن ۳:۱۲۰) ان کی کوئی تدبیر تمھارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطے کہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔

امامت کی شرط

قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بھی زمین میں جن کو امامت عطا فرمائی، یہ وہی لوگ تھے جو صبر میں سچے اور کھرے ثابت ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کو دنیا کی امامت اس وقت ملی جب انھوں نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھی۔ یہ مرحلہ بھی بڑے صبر کا متقاضی تھا۔ بیٹے نے بھی کمال سعادت مندی کے ساتھ کہا: يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ o (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۲) ''ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے''۔

بنی اسرائیل کا ذکر آیا کہ مستضعفین تھے، غلام تھے، فرعون کے شکنجے میں کسے ہوئے تھے، اس کے ظلم و جبر کے تحت پس رہے تھے لیکن ہم نے ان کو مشرق و مغرب کی زمینوں کا مالک بنا دیا۔ بنی اسرائیل سے خلافت کا وعدہ اس لیے پورا ہوا کہ انھوں نے صبر کیا۔ جب وہ ان سارے مصائب کے مقابلے میں جمے رہے، جہاد کیا اور قربانیاں دیں، تو اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کی خلافت اور حکمرانی ان کے سپرد کر دی۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لا بِمَا صَبَرُوْا o (اعراف ۷:۱۳۷) ''اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر پورا ہوا کیونکہ انھوں نے صبر سے کام لیا تھا''۔

اسی طرح جنت کے بارے میں قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو صبر کی روش اختیار کرتے ہیں۔ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا o (الدھر ۷۶:۱۲) ''اور ان کے

صبر کے بدلے میں انھیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا''۔ایک دوسری جگہ یہ بات مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر ۳۹:۱۰) ''صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے بھی اہلِ کتاب کو اس کی ہدایت کی تھی اور تم کو بھی اسی کی ہدایت کی ہے کہ صبر کی روش اختیار کرو۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ برائی کے جواب میں جمے رہنا' اشتعال میں نہ آنا' مخالفتوں کے مقابلے میں اپنے آپ پر قابو رکھنا' ہمت نہ ہارنا' حوصلہ نہ چھوڑنا' مایوسی کا شکار نہ ہونا' اور اشتعال میں آئے بغیر برائی کے جواب میں بھلائی کے راستے پر چلنا' صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ جب انسان نیکی کا حکم دے گا اور منکر سے روکے گا تو یہ اس کے کام آئے گا۔ یہی عزیمت ہے کہ آدمی حالات و مصائب کا جم کر مقابلہ کرے۔ یہ حکم' یہ ہدایت' یہ تاکید' کہ صبر کرو' اس لیے بھی ہے کہ اس کے بغیر دین کا راستہ طے نہیں ہوسکتا۔ اس راستے میں اس کے بغیر قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔

صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایئے کہ حضرت لقمان نے جب اپنے بیٹے کو نصیحت کی تو اس کو دوسری ہدایات کے ساتھ صبر کی بھی تلقین کی کہ یہ بڑے عزم و حوصلے کا کام ہے:

یٰـبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (لقمٰن ۳۱:۱۷) بیٹا! نماز قائم کر' نیکی کا حکم دے' بدی سے منع کر' اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔

آپ غور کریں کہ آیت کا آغاز نماز سے ہوا اور اختتام صبر پر۔ قرآن مجید میں نماز اور صبر دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر آتا ہے۔ اسی طرح جہاں بھی صبر کا ذکر آئے گا کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام بھی آئے گا' اللہ کا ذکر آئے گا' اللہ کی تسبیح کا حکم آئے گا اور اللہ کے قریب ہونے کا ذکر آئے گا۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی تعلیم کی رو سے ایک مومن کے لیے اللہ پر ایمان اور اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق صبر کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح قرآن میں جہاں بھی جہاد کا ذکر آیا ہے وہاں صبر کا ذکر بھی ساتھ آیا ہے کہ اللہ یہ آزما کر رہے گا کہ کون مجاہدہ کرتا ہے اور کون اس کی راہ میں صبر کرتا ہے۔

صبر بے بسی کا نام نہیں

اگر صبر کے یہ معنی ہوں تو اس سے ایک بات بڑی صاف اور واضح ہوجاتی ہے کہ بچپن سے جو کچھ ہم سنتے چلے آئے ہیں وہ اس کا صرف ایک پہلو ہے۔ یہ کہ جب بے بس ہوجائیں' معاملہ ہاتھ سے نکل جائے' ڈاکٹر جواب دے دیں' موت کا فرشتہ آجائے اور جان نکال لے جائے' تب دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ ایسے موقع

پر اس کے علاوہ کیا چارہ ہے کہ صبر کیا جائے۔ لیکن قرآن مجید میں صبر کا جو بیان ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے بسی کی خاموشی یا بے کسی کا نام صبر نہیں ہے' یا قابو نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کر پانا صبر نہیں ہے۔ کچھ کرنے اور کچھ کہنے کا حوصلہ بھی ہو' اس کے باوجود انسان اس سے رک جائے' یہ صبر ہے۔ کسی کام کے کرنے کی استعداد ہو' خواہش بھی موجود ہو لیکن آدمی اس کے مقابلے پر جم جائے۔ صبر بزدلوں یا کم حوصلہ لوگوں کا کام نہیں بلکہ صبر تو بڑی ہمت، بڑی جرأت، بڑی بہادری اور عزم و حوصلے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے بار بار کہا ہے کہ جو صبر کرتے ہیں اور قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتے ہیں' اور برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں کہ یہ بڑے عزم و حوصلے کا کام ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ ۴۲:۴۳) البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے' تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔

ہم دیکھیں گے کہ صبر بے بسی کا نام نہیں ہے بلکہ صبر بدلہ لینے کی استعداد اور ترغیب کا شکار ہو جانے کے باوجود اپنے مقام پر جمے رہنے کا نام ہے۔ مکی زندگی میں اگر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ہاتھ اٹھا نہیں سکتے تھے' بلکہ وہ سب لڑنا جانتے تھے اور مدینہ جا کر انھی لوگوں نے دکھایا بھی کہ وہ کس جواں مردی سے لڑنا جانتے ہیں۔ اس زمانے میں کوئی مسلح فوجیں نہیں تھیں۔ ہر ایک کے پاس تلوار ہوا کرتی تھی اور ہر ایک لڑائی میں حصہ لیتا تھا۔ عرب معاشرے کے اندر اگر کوئی توہین و تذلیل کرے' بے عزتی کرے' قبیلے کے کسی آدمی کے اوپر ہاتھ ڈال دے یا کوئی خون ہو جائے' تو برسوں بلکہ ایک ایک سو سال تک خون در خون انتقام کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ ان کے لیے یہ اجنبی بات نہیں تھی کہ آن بان اور عزت کی خاطر مر مٹیں اور اپنے قبیلے کے خون کا بدلہ لیں۔ لہٰذا مکے میں جو کچھ کیا گیا وہ بے بسی کا صبر نہیں تھا بلکہ ایک سوچا سمجھا راستہ تھا۔ اس کی بنیاد میں بہت ساری چیزیں پوشیدہ تھیں' جن کی یہاں وضاحت کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ صبر بے بسی' لاچاری یا بزدلی کی وجہ سے نہیں تھا۔

صبر کا حقیقی مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے مقاصد کی خاطر جم جائے اور پورے عزم و حوصلے سے مال بھی قربان کرے اور جان بھی کھپائے اور ضرورت پڑنے پر جان دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔

یہ شاید صبر کی بڑی مختصر تعریف ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے اور جس کو میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ بغیر کسی حوالے کے بیان کیا ہے۔ گویا کہ آدمی کے اپنے اندر سے جو ترغیبات اٹھتی ہیں' جو خواہشات سر اٹھاتی ہیں' جو نفسیاتی کیفیات ہوں اور جو باہر سے رکاوٹیں آئیں' ترغیبات ہوں' کوئی دولت کا لالچ دے یا جان کا خوف حائل ہو جائے' ان سب کے مقابلے میں اپنے مقام پر جمے رہنا' اپنے مقصد کے ساتھ وابستہ رہنا' اپنے مقصد

کے حصول کے لیے کوشش جاری رکھنا---یہی دراصل صبر ہے۔

صبر ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں اور ان کو پیش نظر رکھنا چاہیے تاکہ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے کہ قرآن مجید کن کن حوالوں سے صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔

مادی اور نفسیاتی رکاوٹیں

روزمرہ زندگی میں انسان کو جو بھی رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں ان کو ہم بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ ایک مادی رکاوٹیں' اور دوسری نفسیاتی رکاوٹیں۔

مادی رکاوٹوں کے کئی پہلو ہیں۔ کوئی مشکل پڑ جائے' کوئی نقصان ہوجائے' کوئی بڑی خواہش پوری نہ ہو' اور کوئی لالچ بھی ہوسکتا ہے۔ جب ہم رکاوٹ کا لفظ بولتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کسی قسم کی مزاحمت ہوگی۔ کوئی بھی شے اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ کسی بھی چیز کی کشش ہوسکتی ہے۔ یہ وہ مادی رکاوٹیں ہیں جن کا تعلق آدمی کے جسم و جان اور مال سے ہے۔

دوسری قسم کی رکاوٹیں نفسیاتی ہیں۔ ان کی جڑ آدمی کے اپنے اندر' اس کے نفس کے اندر اور اس کے دل و دماغ کے اندر ہوتی ہے۔ یہاں جو چیزیں اٹھتی ہیں وہ اس کو راستے سے ہٹاتی ہیں۔ اس کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں' اس کو ترغیب دیتی ہیں' اس کے اندر خواہشات پیدا کرتی ہیں اور وسوسہ ڈالتی ہیں۔ یہ رکاوٹیں اس طرح کی ہوسکتی ہیں کہ: ایسا کروگے تو یہ ہوجائے گا' جیب سے پیسہ نکالوگے تو تمھارے پاس کچھ نہیں بچے گا اور تم فقیر اور نادار ہوجاؤ گے' لہٰذا جیب مت کھولو۔ یہ سارے وسوسے جو اندر سے پیدا ہوتے ہیں' یہ نفسیاتی رکاوٹیں ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو فی الواقع اصل چیز وہی ہے جو آدمی کے اندر پیدا ہوتی ہے' لہٰذا اصل رکاوٹیں نفسیاتی رکاوٹیں ہیں۔ مادی مصائب' مادی ترغیبات اور مادی رکاوٹوں کی بھی اصل جڑ آدمی کے نفس کے اندر ہوتی ہے۔ اگر ڈھیر سامال کسی کو مل جائے' اس کی نظر میں اس مال کی قیمت پتھر کے چند ریزوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اگر اس کا نقطۂ نظر صحیح ہو' اگر اس کو موت کے منہ میں جانا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ موت نہیں ہے بلکہ یہ تو جنت اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا نام ہے' تو موت کا خوف اس کے دل میں نہ رہے گا۔ بڑی سے بڑی چوٹ آدمی کو لگتی ہے مگر اپنے اندر کے حوصلے سے' اپنے اندر کی نفسیاتی کیفیات سے وہ اسے سہار جاتا ہے۔ دوسری طرف ذرا سی مصیبت پڑتی ہے تو آدمی ہمت ہار دیتا ہے اور رونا دھونا شروع کردیتا ہے۔ اس کا تعلق مصیبت کی مقدار یا آزمایش کی نوعیت سے نہیں ہے کہ آدمی کو کس چیز کا مقابلہ کرنا ہے بلکہ اس کا تعلق اس کے ذہن سے ہے۔ دراصل طاقت کا سرچشمہ انسانی ذہن کے اندر پوشیدہ ہے۔

یہ انسانی سوچ اور جذبہ یا نفسیاتی کیفیت ہی ہے جو اسے دلیر' نڈر اور بے باک بنا دیتی ہے' یا خوف اور ڈر

سے پست ہمت یا بزدل۔ایک کیفیت کے تحت وہ بڑا طاقت ور بن جاتا ہے۔ایک ایک سپاہی سو سو سپاہیوں کے مقابلے میں ڈٹ جاتا ہے‘ اگرچہ مادی و عسکری لحاظ سے وہ مقابلتاً کمزور ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے پاس زیادہ مادی طاقت ہے بلکہ اس کی نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے جو اسے نڈر اور بے باک بنا دیتی ہے۔دوسری طرف یہ احساس کہ ہمارے اوپر مصیبت پڑ سکتی ہے‘ یہ ایک دوسری نفسیاتی کیفیت ہے جو ایک فرد کی طاقت کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔وہ بہت سے وسائل رکھنے کے باوجود اور بہت کچھ کر گزرنے کی صلاحیت کا متحمل ہونے کے باوجود‘ حوصلہ و ہمت ہار دیتا ہے اور عملاً ناکامی و شکست سے دوچار ہو کر رہتا ہے۔(جاری)